مقالات

عبادت

"یہ مضمون صفر اور ربیع الاول ۱۳۵۱ھ کے "معارف" میں شائع ہو چکا ہے۔ اب دوبارہ اس کو ترجمان القرآن میں شایع کیا جاتا ہے۔"

انسان کے مذہبی تصورات میں عبادت کا تصور سب سے پہلا اور اہم تصور ہے، بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ مذہب کا بنیادی تصور عبادت ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک نوع انسانی کے جتنے مذاہب کا پتہ چلا ہے، عام اس سے کہ وہ انتہا درجہ کی وحشی اقوام کے اوہام ہوں، یا اعلیٰ درجہ کی متمدن اقوام کے پاکیزہ معتقدات، ان میں سے ایک بھی عبادت کے تخیل و تصور سے خالی نہیں۔ آثار قدیمہ کی تلاش و جستجو کے سلسلہ میں پرانی سے پرانی قوموں کے جو نشانات ملے ہیں وہ اس امر کی شہادت دے رہے ہیں کہ گو وہ قومیں عقل و شعور کے بالکل ابتدائی درجہ میں تھیں لیکن اس حالت میں بھی انھوں نے اپنی بساط بھر کسی نہ کسی معبود کو ضرور ڈھونڈا ہے، اور کوئی نہ کوئی طریق عبادت ضرور اختیار کیا ہے۔ قدیم قوموں کو جانے دیجئے۔ آج بھی بہت سی انسانی جماعتیں زمین کے مختلف گوشوں میں موجود ہیں جو عقلی و ذہنی اعتبار سے اپنی نوع کے ابتدائی ادوار کی نمایندگی کرتی ہیں۔ ان کے حالات کا مطالعہ کرنے والوں نے گواہی دی ہے کہ ان میں مشکل ہی سے کوئی ایسی جماعت دیکھی گئی ہے جو عبادت کے تصور سے کلیۃً خالی ہو۔ پس یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ انسان قدیم ترین وحشت و بداوت سے لیکر جدید ترین تہذیب و حضارت تک جتنے مدارج سے گذرا ہے ان میں سے ہر درجہ میں عبادت کا تصور اس کے ساتھ رہا ہے۔

گو اس کے مظاہر اور اشکال میں بے شمار تغیرات و اختلافات رونما ہوئے ہیں۔

غور کرنا چاہیے کہ ایسا کیوں ہے؟ کیا وجہ ہے کہ یہ خیال سارے بنی آدم پر حاوی ہے اور تمام زمانوں میں باوجود اختلافِ احوال یکساں حاوی رہا ہے؟ کیا یہ بالارادہ اختیار کیا گیا ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو ساری نوع پر اس کا اس طرح حاوی ہو جانا غیر ممکن تھا۔ کیونکہ بالارادہ اختیار کی ہوئی چیزوں میں کبھی کامل اتفاق نہیں ہوتا اور نہیں ہو سکتا۔ انسان کی اختیار کی ہوئی چیزوں میں سے ایک بھی ایسی نہ ملے گی جس کے اندر ہر مرتبہ اور ہر دور کی تمام انسانی جماعتیں یکساں شریک ہوں۔ اور کسی طرح متصور نہیں ہے کہ ہر زمانہ کے آدمیوں نے ایک عالمگیر کانفرنس کر کے باہم یہ طے کر لیا ہو کہ وہ کسی نہ کسی کی عبادت ضرور کریں گے، خواہ معبود مختلف اور طریقہائے عبادت بے شمار ہوں۔ پھر جب یہ چیز اختیاری نہیں ہو سکتی تو لامحالہ یہ ماننا پڑیگا کہ عبادت کا جذبہ انسان کے اندر ایک فطری جذبہ ہے[1]۔ جس طرح انسان کو بھوک فطری طور پر لگتی ہے اور اس کو فرو کرنے کے لیے وہ غذا تلاش کرتا ہے۔ جس طرح اسے سردی اور گرمی فطری طور پر محسوس ہوتی ہے اور اس سے بچنے کے لیے وہ سایہ اور لباس ڈھونڈتا ہے، جس طرح ادائے مافی الضمیر کی خواہش اس میں فطری طور پر پیدا ہوتی ہے اور اسے پورا کرنے کے لیے وہ الفاظ و اشارات بہم پہنچاتا ہے بالکل اسی طرح عبادت کا جذبہ بھی انسان میں فطرۃً پیدا ہوتا ہے، اور اس کی تسکین کے لیے وہ کسی معبود کو تلاش کرتا اور اس کی بندگی کرتا ہے۔ مگر جیسا کہ ہم بھوک، اور سردی و گرمی کے احساس، اور ادائے

---

[1] معترض کہہ سکتا ہے کہ ایسے افراد بکثرت پائے جاتے ہیں، اور ایسی جماعتیں بھی موجود ہیں اور تقریباً ہر زمانہ میں موجود رہی ہیں جن کا کوئی مذہب نہیں اور جو عملاً و اعتقاداً کسی کی عبادت نہیں کرتیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح مخنثوں کی ایک کثیر جماعت کا موجود ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ جذبۂ شہوت ایک فطری جذبہ نہیں ہے اور جس طرح مجردوں اور راہبوں کے ایک بڑے گروہ کا وجود اس بات کی دلیل نہیں کہ ازدواج کی خواہش ایک فطری خواہش نہیں ہے، اسی طرح ایسے افراد یا جماعتوں کا موجود ہونا بھی، جن کے اندر مخصوص اسباب کے تحت عبادت کا فطری جذبہ مردہ یا بے حس ہو چکا ہو، اس دعوے کی دلیل نہیں بن سکتا کہ انسان میں عبادت کا جذبہ ایک فطری جذبہ نہیں ہے

ما فی الضمیر کی خواہش کے معاملہ میں دیکھتے ہیں فطرت کا اثر زیادہ تر اس مجرد داعیہ کی حد تک رہتا ہے جو انسان کو غذا، سایہ، لباس اور وسیلۂ اظہار ما فی الضمیر کی تلاش پر مجبور کرتا اور جسم کے ان اعضا کو جو ان کاموں سے متعلق ہیں حرکت دینے پر ابھارتا ہے، اور اسی حد تک تمام انسانوں میں اشتراک بھی پایا جاتا ہے۔ اس کے آگے فطرت کا اثر کمزور اور خود انسان کا اپنا اختیار غالب ہو جاتا ہے، اور یہیں سے وہ بے شمار اختلافات شروع ہوتے ہیں جو غذا، مکان، لباس، زبان اور اشارات و علامات کی مختلف صورتوں اور حیثیتوں کے اعتبار سے ہر زمانہ کی مختلف قوموں میں پائے گئے ہیں۔ قریب قریب یہی حال عبادت کے فطری جذبہ کا بھی ہے کہ وہ انسان کو بندگی و پرستش پر اُکسا کر چھوڑ دیتا ہے، اور اس کے بعد یہ خود انسان کا اپنا کام ہوتا ہے کہ اس جذبہ کی تسکین کے لیے کوئی معبود تلاش کرے اور اس کی عبادت کا کوئی طریقہ نکالے۔ اسی اختیار کی حد پر پہنچ کر معبودوں اور عبادت کے طریقوں میں وہ اختلاف شروع ہوتا ہے جو انسان کی اختیار کی ہوئی تمام چیزوں میں نظر آتا ہے گو اس معاملہ میں بھی فطرت کی رہنمائی انسان کا ساتھ بالکل نہیں چھوڑتی جس طرح غذا اور لباس وغیرہ فطری مطلوبات کے انتخاب میں نہیں چھوڑتی ہے لیکن یہ رہنمائی اتنی دھندلی اور خفی ہوتی ہے کہ اس کا ادراک کرنے کے لیے نہایت لطیف و نازک شعور کی ضرورت ہے جو بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔

آئیے اب ہم سراغ لگائیں کہ اس فطری داعیہ کا سر رشتہ کہاں سے ملتا ہے؟ اس کشش کا مرکز کہاں ہے جو انسان کو عبادت کے لیے کھینچتی ہے؟ کونسی قوتیں ہیں جو اسے معبود کی تلاش اور اس کی عبادت پر ابھارتی ہیں؟ اور وہ کیا رہنمائی ہے جو اس تلاش میں ہم کو خود فطرت سے حاصل ہوتی ہے؟ اس کے لیے ہم کو سب سے پہلے خود عبادت کی حقیقت پر غور کرنا چاہیے کہ اس کے بغیر ان سوالات کا حل مشکل ہے۔

عبادت کا تصور دراصل ایک جامع تصور ہے جو دو ذیلی تصورات کے امتزاج سے مکمل ہوتا ہے۔ ایک بندگی، دوسرے پرستش۔ بندگی کے معنی ہیں کسی بالاتر قوت کی بڑائی تسلیم کر کے اس کی فرمان برداری اور اطاعت کرنا۔ اور پرستش کے معنی ہیں کسی بالاتر ہستی کو پاک، مقدس اور بزرگ سمجھ کر اس کے آگے نیاز

جھکا دینا اور اسے پوجنا۔ ان میں سے پہلا تصور عبادت کا ابتدائی اور بنیادی تصور ہے۔ اور دوسرا تصور انتہائی اور تکمیلی۔ پہلا زمین کی حیثیت رکھتا ہے اور دوسرا عمارت کی۔ اس لیے ہمیں اپنی تحقیق کی ابتدا پہلے تصور سے کرنی چاہیے۔

بندگی یا فرمانبرداری و اطاعت ہمیشہ اس قوت کے مقابلہ میں کی جاتی ہے جو بندگی کرنے والے پر قہر و غلبہ اور قدرت و استیلاء رکھتی ہو، اور بندے یا مطیع میں اُس کے حکم سے سرتابی کا یارا نہ ہو۔ اس کی ایک محدود شکل تو وہ ہے جو آقا اور نوکر کے درمیان ہم عموماً دیکھتے ہیں، لیکن اس سے زیادہ وسیع تصور کے لیے سب سے زیادہ واضح مثال وہ بندگی ہے جو رعایا اپنی حکومت کی کرتی ہے۔ حکومت کوئی مادی شئے نہیں، نہ محسوس و مشاہد چیز ہے۔ ایک نظام و ضابطہ کی بندش ہے جس کا غلبہ و استیلاء لاکھوں کروڑوں آدمیوں پر حاوی ہوتا ہے۔ رعایا اس کے قانون پر طوعاً و کرہاً چلتی ہے۔ لوگ اپنے گھروں میں، کسان اپنے کھیتوں میں اور مسافر دور دراز جنگلوں میں، جہاں بظاہر حکومت کا زور جتانے والی کوئی چیز موجود نہیں ہوتی، اس کے قوانین کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کے حدود اختیار میں رکھ جو شخص اس کے قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ سزا پاتا ہے اور زیادہ شدید نافرمانی کی صورت میں اس کے تمام وہ حقوق سلب ہو جاتے ہیں جو رعیت ہونے کی حیثیت سے اس کو حاصل تھے۔ اس لحاظ سے جس قدر لوگ کسی حکومت کے حدود میں رہتے ہیں اور اس کے قوانین کی پابندی کرتے ہیں ان کے متعلق ہم کہا کرتے ہیں کہ وہ فلاں حکومت کی فرمانبرداری و اطاعت کر رہے ہیں، اور اگر ہم ان الفاظ کی جگہ مذہبی اصطلاح استعمال کریں تو کہہ سکتے ہیں کہ وہ اس کی بندگی و عبادت کر رہے ہیں۔

اب اس تصور کو اور زیادہ وسیع کیجیے۔ پوری کائنات پر نظر ڈالیے۔ آپ دیکھیں گے کہ سارا عالم اور اس کا ایک ایک ذرہ ایک زبردست نظام میں جکڑا ہوا ہے، اور ایک قانون ہے جس پر خاک کے ایک ذرہ سے لے کر آفتاب عالمتاب تک ساری کائنات طوعاً و کرہاً عمل کر رہی ہے کسی شئے کی یہ

مجال نہیں کہ اس قانون کے خلاف چل سکے' اور جو چیز اس سے ذرہ برابر سرتابی کرتی ہے وہ فساد اور فنا کی شکار ہو جاتی ہے۔ یہ زبردست قانون جو انسان' حیوان' درخت' پتھر' ہوا' پانی' اجسام ارضی اور اجرام فلکی سب پر یکساں حاوی ہے' ہماری زبان میں قانون فطرت یا قانون قدرت کہلاتا ہے' اس کے ماتحت جو کام جس چیز کے سپرد کر دیا گیا ہے وہ اس کے کرنے میں مشغول ہے۔ ہوائیں اس کے اشارے پر چلتی ہیں' بارش اس کے حکم سے ہوتی ہے' پانی اس کے فرمان سے بہتا ہے' سیارے اس کے ارشاد سے حرکت کرتے ہیں' غرض اس تمام کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے اسی قانون کے ماتحت ہو رہا ہے' اور ہر ہر ذرہ اسی کام میں لگا ہوا ہے جس پر اس قانون نے اسے لگا دیا ہے۔ جس چیز کو ہم زندگی' بقا اور کون کہتے ہیں وہ دراصل نتیجہ ہے اسی قانون کی اطاعت کا۔ اور جس چیز کو ہم موت' فنا اور فساد کہتے ہیں وہ حقیقۃً نتیجہ ہے اس قانون کی خلاف ورزی کا۔ دوسرے الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہر شئے جو زندہ اور باقی ہے وہ اس قانون کی اطاعت کر رہی ہے' اور کائنات عالم میں کوئی شئے زندہ اور باقی رہ نہیں سکتی اگر وہ اس کی اطاعت نہ کرے۔

لیکن جس طرح حکومت کی مثال میں ہم دیکھتے ہیں کہ قانون کی اطاعت دراصل قانون کی اطاعت نہیں' اُس حکومت کی اطاعت ہے جس نے اپنے قہر و غلبہ سے اس قانون کو نافذ کیا ہے' اور حکومت کا نظم و ضبط قائم کرنے کے لیے لامحالہ ایک حاکم' ایک مرکزی فرمانروا' ایک مقتدر اعلیٰ ہستی کا وجود ضروری ہے' بالکل اسی طرح قانون فطرت کی اطاعت بھی دراصل اُس قاہر و غالب حکومت کی اطاعت ہے جو اس قانون کو بنانے اور زور و قوت سے اس کو چلانے والی ہے' اور یہ حکومت ایک فرمانروا کے دست قدرت میں ہے جس کے بغیر اتنا بڑا عالمگیر نظام ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں چل سکتا۔ یہاں اگر ہم قانونی لفظ "اطاعت" کو مذہبی اصطلاح "عبادت" سے بدل دیں اور لفظ "حاکم" کی جگہ "اللہ" یا "خدا" کا لفظ رکھ دیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ساری کائنات اور اس کی ہر ہر چیز اللہ کی عبادت کر رہی ہے' اور یہ ایسی عبادت ہے جس

ہر شے کے وجود و بقا کا انحصار ہے۔ کائنات کی کوئی شئے اور مجموعی طور پر ساری کائنات اللہ کی عبادت سے ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہیں ہو سکتی، اور اگر غافل ہو جائے تو ایک لمحہ کے لیے بھی باقی نہیں رہ سکتی۔

قرآن مجید میں اس بندگی کو کہیں عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے، کہیں تسبیح و تقدیس سے، کہیں سجود سے اور کہیں قنوت سے۔ چنانچہ جگہ جگہ اس مضمون کی آیات آئی ہیں:-

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (۵۱: ۵۶) میں نے جن اور انسان کو اسی لیے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں

وَلَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلٌّ لَّهُ قَانِتُونَ (۳۰ : ۳)

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے، سب اسی کے حکم کے آگے جھکے ہوئے ہیں۔

وَلَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ عِندَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ (۲:۲۱)

آسمانوں اور زمین میں جس قدر مخلوقات ہیں اور جو اس کے پاس ہیں سب اسی کے ہیں، وہ اس کی عبادت سے سرتابی نہیں کرتے اور نہ تھکتے ہیں، رات دن اس کی تسبیح میں لگے ہوئے ہیں اور کبھی اس سے کاہلی نہیں کرتے۔

يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ (۱:۶۲)۔

آسمانوں اور زمین میں جو چیز ہے اللہ ہی کی تسبیح کر رہی ہے، وہ بادشاہ ہے، پاک، غالب، اور صاحب حکمت

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرُ صَافَّاتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ (۲۴ : ۵)

کیا تو نہیں دیکھتا کہ جس قدر مخلوق آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو پرندے پر پھیلائے اڑ رہے ہیں سب اللہ ہی کی تسبیح کر رہے ہیں۔ سب اپنی نماز اور تسبیح کا طریقہ جانتے ہیں اور زمین و آسمان کی حکومت اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور سب کو اسی کی طرف جانا ہے۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَاوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَن

ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب اسی کی

فِيهِنَّ وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَٰكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ (۱۷: ۵)

تسبیح کر رہے ہیں اور کوئی چیز نہیں جو اس کی حمد کے گیت نہ گاتی ہو، مگر تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔

الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ وَالنَّجْمُ يَسْجُدَانِ (۵۵: ۱)

سورج اور چاند ایک حساب کے ساتھ چکر لگا رہے ہیں اور درخت اور بوٹے سجدے میں ہیں۔

"کیا ان لوگوں نے خدا کی مخلوق میں کسی چیز کی طرف نظر نہیں کی جن کے سایے دائیں اور بائیں جھکتے ہیں، گویا اللہ کے آگے سربسجود ہیں، اور اظہار عجز کر رہے ہیں، اور جتنے جاندار اور ملائکہ آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں اور اس کے حکم سے سرتابی نہیں کرتے اور اپنے رب سے جو بالاتر ہے ڈرتے ہیں اور جو ان کو حکم دیا جاتا ہے وہی کرتے ہیں" (۱٦: ۵)۔

"تو نہیں دیکھتا کہ جو مخلوق آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، اور چاند اور سورج اور تارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے نیک آدمی اور بہت سے وہ بھی جو اپنی نافرمانی کی وجہ سے مستحق عذاب ہو چکے ہیں، سب کے سب اللہ کے آگے سربسجود ہیں" (۲۲: ۲)

"زمین اور آسمان میں جس قدر چیزیں ہیں سب طوعاً وکرہاً اللہ ہی کو سجدہ کر رہی ہیں" (۱۳/۲)

یہ عبادت، یہ سجود، یہ تسبیح، یہ قنوت تمام جاندار اور بے جان، ذی شعور اور بے شعور چیزوں پر یکساں حاوی ہے، اور انسان بھی اس پر اسی طرح مجبول ہے جس طرح مٹی کا ایک ذرہ، پانی کا ایک قطرہ اور گھاس کا ایک تنکہ۔ انسان خواہ وہ خدا کا قائل ہو یا منکر، خدا کو سجدہ کرتا ہو یا پتھر کو، خدا کی پوجا کرتا ہو یا غیر خدا کی، جب تک وہ قانون فطرت پر چل رہا ہے، اور اس قانون کے تحت زندہ ہے، بغیر جانے بوجھے بلا عمد و اختیار طوعاً وکرہاً خدا کی عبادت کر رہا ہے اسی کے سامنے سربسجود ہے اور اسی کی تسبیح میں لگا ہوا ہے اس کا چلنا پھرنا، سونا جاگنا، کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، سب اسی کی عبادت ہے۔ چاہے وہ اپنے اختیار سے

کسی اور کی پوجا کر رہا ہو اور اپنی زبان سے کسی اور کی بندگی و اطاعت کا اقرار کر رہا ہو، مگر اس کا رونگٹا رونگٹا اسی خدا کی عبادت میں مشغول ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے، اس کا خون اُسی کی عبادت میں حکر لگا رہا ہے، اُس کا قلب اسی کی عبادت میں متحرک ہے، اس کے اعضا، اُسی کی عبادت میں کام کر رہے ہیں، اور خود اس کی وہ زبان جس سے وہ خدا کو جھٹلاتا اور غیروں کی حمد و ثنا کرتا ہے، اسی کی عبادت میں چل رہی ہے۔

اس عبادت کا صلہ یا اجر خدا کی طرف سے کیا ملتا ہے؟ فیضان وجود، رزق اور قوت بقا۔ جتنی چیزیں خدا کے قانون پر چلتی ہیں، اور اس کی بندگی کرتی ہیں، وہ زندہ اور باقی رہتی ہیں اور انہیں وہ وسیلۂ بقا عطا کیا جاتا ہے جسے ہم اپنی بولی میں "رزق" کہتے ہیں۔ اور جو چیزیں اس کے قانون سے انحراف کرتی ہیں ان پر فساد مسلط ہو جاتا ہے، اُن کا رزق بند ہو جاتا ہے، اور وہ فیضان وجود سے محروم ہو جاتی ہیں۔ یہ معاملہ کائنات کی ہر چیز کے ساتھ ہو رہا ہے اور اس میں شجر و حجر، حیوان و انسان، کافر و شاکر کے درمیان کوئی امتیاز نہیں۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا (۱۱:۱)

کوئی چیز زمین پر چلنے والی ایسی نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمے نہ ہو اور اللہ اس کے ٹھکانے اور سونپے جانے کی جگہ جانتا ہے۔

يَا اَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ۔ (۳۵:۱)

اے لوگو! اپنے اوپر اللہ کی نعمت یاد کرو۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو زمین اور آسمان سے تم کو رزق دیتا ہو؟ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر تم کدھر بھٹکائے جا رہے ہو۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا

وہی ہے جس نے زمین کو تمھارے لیے مطیع و مسخر بنا دیا

فَامْشُوْا فِیْ مَنَاکِبِهَا وَکُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ	پس تم اس کی پہنائیوں میں چلو پھرو اور اس کا رزق کھاؤ۔
اَمَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَمَنْ	کون ہے جو مخلوقات کو اول بار پیدا کرتا ہے؟ اور
یَّرْزُقُکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ	کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے
مَّعَ اللّٰهِ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ	کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ اگر تم سچے
صٰدِقِیْنَ (۲۷ : ۵)۔	ہو تو اپنی دلیل پیش کرو۔
اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّ	کیا یہ لوگ پرندوں کو نہیں دیکھتے جو ان کے اوپر پر
یَقْبِضْنَ مَا یُمْسِکُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ اِنَّهٗ	پھیلاتے اور سکیڑتے ہوئے اڑ رہے ہیں۔ رحمٰن کے سوا
بِکُلِّ شَیْءٍۭ بَصِیْرٌ، اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ	کوئی نہیں جو ان کو سنبھالے ہوئے ہو۔ وہ ہر چیز کی دیکھ
جُنْدٌ لَّکُمْ یَنْصُرُکُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ	بھال کرنے والا ہے۔ اور یہ رحمٰن کے سوا اور کون ہے جو
اِنِ الْکٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ ۔ اَمَّنْ هٰذَا	تمہارا لشکر بن کر تمہاری مدد کرتا ہے؟ مگر کافر ہیں کہ دھوکے
الَّذِیْ یَرْزُقُکُمْ اِنْ اَمْسَکَ رِزْقَهٗ	میں پڑے ہوئے ہیں اور اگر اللہ اپنا رزق بند کر دے تو کون
بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ۔ (۶۷ : ۲)	ہے جو تم کو رزق دے سکتا ہے؟ مگر کافر سرکشی اور بے راہی پر جمے ہوئے ہیں

اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جس طرح انسان اس بندگی میں دوسری اشیاء کے ساتھ مساوی ہے، اسی طرح اُس کے اجر و معاوضہ میں بھی وہ مساوی رکھا گیا ہے۔ انعام کی صورتوں کا فرق جو کچھ بھی ہے، در اصل استعداد اور حاجتوں کے فرق پر مبنی ہے لیکن صورتوں سے قطع نظر کر کے اگر حقیقت کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ایک درخت، ایک جانور، ایک چڑیا، ایک گھانس کی پتی کی احتیاج و استعداد کے مطابق اللہ اس کی دیکھ بھال، خبر گیری، امداد و اعانت، اور رزق رسانی کر رہا ہے اسی طرح انسان کی احتیاج و استعداد کے مطابق اس پر بھی انعام فرماتا ہے۔ اس بارے میں انسان کو ادنیٰ سے ادنیٰ مخلوقات کے مقابلہ میں اگر کوئی فضیلت ہے تو وہ محض صورت انعام کے اعتبار سے ہے

: کہ حقیقت انعام کے اعتبار سے۔ اور صورت انعام کا حال یہ ہے کہ وہ ہر شے کی طبیعت اور حاجت کے عین مناسب ہے۔ ایک چوہے پر جو انعام فرمایا گیا ہے، انعام کی وہی صورت اس کی فطرت اور ضرورت سے مناسبت رکھتی ہے۔ دوسری کوئی صورت، جس کو ہم بہتر سمجھتے ہیں، اس کے لیے انعام نہیں سزا ہو جائے گی۔ ایک بڑے سے بڑا منعم انسان جو آرام اپنی پھولوں کی سیج پر محسوس کرتا ہے، وہی آرام ایک چھوٹی سے چھوٹی چڑیا اپنے گھاس پھونس کے گھونسلے میں محسوس کرتی ہے۔ پھولوں کی سیج تنکوں کے گھونسلے پر لاکھ فخر کرے۔ مگر حقیقت میں گھونسلے والے کی استعداد کے مطابق اس کی احتیاج اسی طرح پوری کی گئی جس طرح پھولوں کی سیج پر سونے والے کی استعداد کے مطابق اس کی احتیاج پوری کی گئی ہے۔ اس حیثیت سے دونوں پر خدا کا انعام یکساں ہے۔ پھر یہی معاملہ کافر و شاکر، مومن و مشرک کے ساتھ بھی یکساں ہے۔ جو لوگ خدا کے منکر ہیں اور اس کی پرستش نہیں کرتے، جو اس کے ساتھ اس کی مخلوق کو شریک کرتے ہیں، جو شجر و حجر کو اس کا مدمقابل ٹھیراتے ہیں، ان پر بھی رزق اور فیضانِ وجود اور حفاظت و خبرگیری کا انعام اسی طرح ہوتا ہے جس طرح پکے موحدوں اور خدا پرستوں پر ہوتا ہے، بلکہ اگر قانونِ فطرت کی پیروی یا بالفاظ دیگر "فطری عبادت" میں ایک کافر ایک مومن سے بڑھا ہوا ہے، تو اس کی "عبادت" کا صلہ بھی کافر کو مومن سے بہتر صورت میں عطا ہوتا ہے خواہ وہ حقیقت بین نگاہ میں متاعِ غرور ہی کیوں نہ ہو۔

اب یہ سوال بآسانی حل ہو جاتا ہے کہ انسان میں عبادت کا جذبہ فطری طور پر کیوں پیدا ہوتا ہے؟ اور وہ کیوں اپنے معبود کو تلاش کرتا ہے؟ جب ساری کائنات اور اس کی ہر چیز ایک غالب قاہر فرمانروا کی بندگی کر رہی ہے، اور خود انسان کا ایک ایک رونگٹا اس کی عبادت میں لگا ہوا ہے، اور وہ تمام عناصر جن سے انسان کا جسم مرکب ہے اس کے آگے سربسجود ہیں، اور جسم انسانی میں ان عناصر کی ترکیب اسی کے فرمان سے ہوئی ہے، اور انسان کا وجود ہر آن اس کی بندگی پر منحصر ہے، تو آپ سے آپ بندگی و عبودیت انسان کی سرشت میں داخل ہو گئی ہے۔ گو وہ اس حکومت کو نہیں دیکھتا جس کا وہ

بندہ ہے نہ دنیوی حکومتوں کی طرح اس خدائی حکومت کے عامل اور نمایندے اس کے سامنے آتے ہیں مگر چونکہ وہ بندہ ہی پیدا ہوا ہے، اور بلا ارادہ ہر وقت بندگی کر رہا ہے، اور اس کے مالک کی حکومت نے ہر طرف سے، اندر سے بھی اور باہر سے بھی، اس کو اور اس کے گرد و پیش کی تمام چیزوں کو جکڑ رکھا ہے، اس لیے فطری طور پر اس کے اندر ایک نیازمندی، ایک نیایش و گرایش، ایک پرستش و عبودیت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اور اس کا دل بے اختیار کسی معبود کو تلاش کرتا ہے کہ اس کی حمد و ثنا کرے، اس کی بڑائی بیان کرے، اس کے آگے اپنی بندگی و عقیدت کی نذر پیش کرے، اس سے اپنی حاجتوں میں مدد مانگے، اور ہر آفت سے اس کے دامن میں پناہ ڈھونڈے۔ یہی رشتہ ہے جس نے ابتدائے آفرینش سے انسان کو تلاش معبود پر مجبور کیا ہے اسی کی تحریک پر اس نے ہمیشہ پرستش کی کوئی نہ کوئی شکل اختیار کی ہے اور یہی وہ عنصر ہے جس سے مذہب کی پیدائش ہوئی ہے

لیکن جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے، فطرت نے ہر معاملہ میں انسان کے اندر ایک جذبہ طلب ایک سادہ خواہش، ایک خالص کشش پیدا کر کے اس کو چھوڑ دیا ہے کہ اپنے مطلوب کو خود تلاش کرے گویا یوں سمجھیے کہ فطرت انسان سے آنکھ مچولی کھیلتی ہے۔ ایک نامعلوم چیز کی طلب پر اکساتی ہے، اور پردے کے پیچھے چھپ جاتی ہے، تاکہ وہ اپنی عقل پر زور دے کر اپنے حواس سے کام لے کر معلوم کرے کہ اس کے دل میں جس چیز کی لگن لگی ہوئی ہے، اس کی فطرت جو شے مانگ رہی ہے، وہ کیا ہے اور کہاں ہے اور کس طرح اس کو حاصل کیا جائے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر انسان کو مشکلات پیش آئی ہیں اور اس نے اپنی عقلی استعداد، اپنی قوت فکر و تمیز کی رسائی اور اپنے ذوق و وجدان کی صلاحیت کے مطابق اپنے لیے وہ مختلف راستے نکالے ہیں جو آج نوع انسانی کے تمدن و معاشرت کی گوناگونی میں ہم دیکھ رہے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس تلاش و جستجو اور اختیار و انتخاب میں فطرت نے کبھی اس کا ساتھ نہیں چھوڑا ہے۔ مگر جس طرح وہ ہر قدم پر حیوانات کی رہنمائی کرتی ہے، اس طرح انسان کی رہنمائی نہیں کرتی۔ انسان کو وہ نہایت لطیف اشاروں میں ہدایت دیتی ہے، نہایت خفیف روشنی دکھاتی ہے، جس کا ادراک معمولی عقل و بصیرت والے لوگ

نہیں کر سکتے۔ اسی وجہ سے اکثر ایسا ہوا ہے کہ انسان کا اختیار تمیزی صحیح راستہ کی تلاش میں ناکام ہوا اور ہوائے نفس اس کو غلط راستوں پر بھٹکا لے گئی۔

مثال کے طور پر غذا کی خواہش پیدا کرنے سے فطرت کا منشا یہ تھا کہ انسان ایسا مواد اپنے جسم کو مہیا کرے جس سے وہ زندہ رہ سکے اور تحلیل شدہ اجزاء کا بدل اس کو ملتا رہے مگر بہت سے لوگ اس "خوردن برائے زیستن" کی حقیقت کو نہ سمجھے۔ تلاش غذا پر ابھارنے کے لیے جو ذائقہ کی چاشنی فطرت نے اس کے کام و دہن میں لگادی تھی، اسی کو وہ اصل مقصود سمجھ بیٹھے اور ہوائے نفس ان کو "زیستن برائے خوردن" کی غلط فہمی میں مبتلا کرکے فطرت کے اصل منشا سے دور ہٹا لے گئی۔ اسی طرح لباس اور مکان کی طلب دراصل موسمی اثرات سے جسم کو محفوظ رکھنے کے لیے پیدا کی گئی تھی۔ مگر ہوائے نفس نے اس کو زینت و آرائش اور اظہار شان و ترفع کا ذریعہ بنالیا، اور انسان فطرت کے منشا سے تجاوز کرکے انواع و اقسام کے نفیس لباس اور عالیشان محل بنانے لگا جو آخر کار خود اسی کے لیے مضرت رساں ثابت ہوئے۔ یہی حال ان تمام داعیات فطرت کا ہوا ہے جنھوں نے انسان میں مختلف چیزوں کی طلب پیدا کی، اور اس نے فطرت کے منشا کو نہ سمجھ کر یا بسا اوقات سمجھنے کے باوجود نظر انداز کرکے، اپنے اختیار سے اُس طلب کو پورا کرنے کے لیے وہ مختلف ڈھنگ اور طریقے نکال لیے جو فطرت کے اصل مقصد سے زائد اور بہت سے معاملات میں اس کے خلاف تھے۔ پھر یہی چیزیں اگلوں سے پچھلوں تک تمدن و تہذیب، رسم و رواج اور آداب و اطوار بن کر پہنچیں جن کی گرفت نے بعد کی انسانی نسلوں کو ایسا جکڑا کہ فطرت کی رہنمائی کو سمجھنا تو درکنار، ان کے لیے اپنے اختیار تمیزی کو استعمال کرنے کی آزادی بھی باقی نہ رہی، اور اسلاف کے طریقوں نے مقدس قوانین بن کر ان کو اندھی تقلید کے رستے پر ڈال دیا۔ حالانکہ فطرت جس طرح پہلے انسان کو لطیف اشارے اور خفیف ہدایتیں دے رہی تھی اسی طرح آج بھی دے رہی ہے اور ہمیشہ دیتی رہے گی، جنہیں عقل سلیم تھوڑے یا بہت اجتہاد سے ہر وقت سمجھ سکتی ہے۔

تلاش معبود کی فطری خواہش کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ پیش آیا ہے جب انسان نے عبادت کے جذبہ سے بے چین ہو کر اپنے لیے کسی معبود کو ڈھونڈھنا شروع کیا تو فطرت اپنے اُسی لطیف انداز میں اس کو معبود حقیقی کے اتے پتے دینے لگی کہ تیرا معبود وہ ہے جس نے تجھے پیدا کیا ہے، جو تجھ سے بالاتر ہے، جس کی قوت کے سامنے تو عاجز ہے، جو ہر چیز پر غالب ہے، جو تجھے اور ہر جاندار کو روزی دیتا ہے، جو اپنے حسن و جمال اور خوبی و رعنائی کی بنا پر ہر طرح تیری مدح و ستایش کا مستحق ہے، جس کا نور آفتاب و ماہتاب اور ستاروں کو روشنی دیتا ہے، جس کا جمال اپنے جلووں سے آب و گل کی مورتوں کو یہ جوبن اور یہ نکھار اور یہ دل فریب حسن بخش دیتا ہے، جس کا جلال پانی کی موج، ہوا کے طوفان، زمین کی لرزش، پہاڑ کی سربلندی، شیر کی درندگی اور سانپ کی گزندگی میں اپنی شوکت کا اظہار کرتا ہے، جس کی ربوبیت ماں کے سینے میں محبت و شفقت بن کر، گائے کے تھن میں دودھ بن کر، درخت کی ٹہنی میں پھل بن کر، پتھر کے کلیجے میں پانی بن کر ظہور کرتی ہے۔ یہ لطیف اشارے ہر زمانے میں مختلف سمجھ بوجھ کے لوگوں کو دیے گئے، اور ہر ایک نے اپنی اپنی بساط کے مطابق ان اشاروں سے اس پہیلی کو بوجھنے کی کوشش کی۔

کسی نے ان صفات کے معبود کو زمین پر تلاش کیا اور پہاڑوں، دریاؤں، درختوں، اور نفع و ضرر پہنچانے والے جانوروں پر فریفتہ ہو گیا، جنسی اعضا کو پوجنے لگا، آگ کے سامنے دھونی رما بیٹھا، ہوا کے آگے سربسجود ہوا، دھرتی ماتا کو عقیدت کا خراج دینے لگا۔ غرض اس کی نظر آس پاس ہی کے مظاہر میں اُلجھ کر رہ گئی۔

کسی کی نظر اس سے آگے بڑھی وہ ارضی معبودوں سے مطمئن نہ ہوا۔ اس نے دیکھا کہ یہ سب چیزیں تو اسی کی طرح کسی اور کی بندگی میں مبتلا ہیں، خود اپنے وجود و بقا کے لیے بھی غیر کی محتاج ہیں۔ ان کے پاس کیا رکھا ہے جس کے لیے ہم استعانت کا ہاتھ بڑھائیں اور عقیدت کی پیشانی جھکائیں۔ آخر اس نے زمین کو چھوڑ کر آسمان پر اپنے معبود کو تلاش کیا، سورج کو دیکھا، چاند پر نظر ڈالی، اجرام فلکیہ کی چمک دمک دیکھی اور کہا کہ

یہ ہیں عبادت کے لائق۔

مگر جو اس سے بھی زیادہ باریک بیں تھا اس کو آسمان والوں کا حال بھی زمین والوں سے کچھ زیادہ جدا نظر آیا۔ اس نے کہا کہ یہ لاکھ بلند و برتر سہی، روشن اور روشن گر سہی لیکن اپنے اختیار سے کیا کر سکتے ہیں؟ ایک مقررہ قانون، ایک سے لگے بندھے نظام کے تحت گردش کیے جا رہے ہیں۔ سورج کو اپنی ہمہ عظمت و بزرگی آج تک یہ مجال نہ ہوئی کہ مشرق کے بجائے کسی روز مغرب سے نکل آتا یا اپنے مقام سے ایک ہی انچ سرک جاتا۔ چاند کبھی اس قابل نہ ہوا کہ جو دن اس کے ہلال بننے کا تھا اس دن بدر بن کر نکلتا۔ اسی طرح کوئی اور سیارہ بھی اپنی مقررہ گردش سے کبھی یک سرمو تجاوز نہ کر سکا۔ اس بندگی، بے چارگی، کھلی ہوئی غلامی کو دیکھ کر اس جویائے معبود نے آسمان سے بھی منہ موڑ لیا، تمام مادی جسمانی چیزوں کو ناقابل پرستش قرار دیا اور اپنے معبود کی تلاش میں معانی مجردہ اور روحانیات کی طرف پیش قدمی کی۔ نور کا پروانہ بنا، دولت کی دیوی پر فریفتہ ہوا، محبت کے دیوتا پر ریجھا، حسن کی دیوی کا گرویدہ ہوا، قوت کے دیوتا کو سجدہ کیا، مدبرات عالم کے ہیکل تجویز کیے اور ان کی عبادت اختیار کی، ارواح اور عقول اور ملائکہ کو مسجود بنایا، اور سمجھا کہ یہی عبادت کے لائق ہیں۔

اس طرح کائنات کی ہر اس چیز جس کے اندر مختلف قابلیتوں کے لوگوں کو اپنی اپنی فکر کی رسائی اور نظر کی استعداد کے مطابق برتری، ربوبیت، قدرت، حسن، جلال اور خالقیت کی جھلک نظر آئی، اس کے آگے جھک گئے اور فطرت کے دیے ہوئے سراغ پر جو شخص جتنی دور جا سکا گیا اور ٹھیر گیا۔ مگر جو لوگ زیادہ صحیح وجدان، زیادہ لطیف ادراک، اور زیادہ سلیم عقل رکھتے تھے، اور فطرت کے بتائے ہوئے نشانات پر ٹھیک ٹھیک سفر کر رہے تھے، وہ ان ارضی و سماوی معبودوں اور روحانی و خیالی دیوتاؤں میں سے ایک سے بھی مطمئن نہ ہوئے۔ بیچ کی منازل میں سے ایک پر بھی نہ ٹھیرے اور بڑھتے بڑھتے اس منزل پر پہنچ گئے جہاں انھیں کائنات کی تمام مادی، روحانی، ذہنی، علوی اور سفلی قوتیں کسی اور کی گرفت پر جکڑی ہوئی کسی اور کی بندگی میں مشغول، کسی اور کے آگے جھکی ہوئی، کسی اور کی تسبیح پڑھتی ہوئی نظر آگئیں۔ یہاں انھوں نے اپنے دل کے کانوں سے یہ آواز سنی:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (۲۱ : ۲) میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم میری ہی عبادت کرو۔

یہ اسی معبود کی آواز تھی جس کی تلاش میں وہ چلے تھے۔ مطلوب نے اپنا پتا آپ بتا دیا۔ سفر ختم ہو گیا۔ منزل مقصود مل گئی۔ اور ڈھونڈنے والے مطمئن ہو گئے۔ یہ ایک حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس آخری ہدایت کو پانے کے بعد پھر کوئی مزید تلاش و جستجو کے لیے بے چین نہ ہوا۔ بے چینی، بے قراری، بے اطمینانی جو کچھ بھی تھی، بیچ کی منزلوں میں رہ گئی تھی۔ آخری منزل پر پہنچ کر ہر دل نے گواہی دی کہ جس کو ڈھونڈ رہے تھے وہ یہی ہے۔ اب کسی تلاش و جستجو کی حاجت نہیں۔ (باقی)

مرآۃ المثنوی

مرتبہ

جناب قاضی تلمذ حسین صاحب ایم اے رکن دارالترجمہ

مثنوی مولانا روم کا بہترین ایڈیشن جس میں مثنوی شریف کے منتشر مضامین کو ایک سلسلہ کے ساتھ اس طور پر مرتب کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا مولانا کے مدعا اور ان کی تعلیم کو بڑی آسانی سے سمجھتا چلا جاتا ہے۔ کئی انڈکس اور فہرستیں بھی ہیں جن کی مدد سے آپ حسب منشا جو شعر چاہیں نکال سکتے ہیں۔ ایک بسیط فرہنگ بھی ملحق ہے۔ غرض یہ کہ اس نے مثنوی شریف سے فائدہ اٹھانے کیلئے ایسی سہولت مہیا کر دی ہے کہ ایک شخص بڑی آسانی سے کتاب کے مطالب پر عبور حاصل کر سکتا ہے۔ کاغذ کتابت طباعت بہترین جلد نہایت اعلیٰ قیمت سکہ انگریزی للعہ سکہ عثمانیہ

دفتر ترجمان القرآن سے طلب کیجیے